© rasailojaraid.com

تنقید وتبصرہ

خلافت و ملوکیت

مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی

زیر نظر کتاب کے بعض ابواب اس کتاب کے شائع ہونے سے کافی پہلے مولانا مودودی صاحب کے رسالے "ترجمان القرآن" میں شائع ہوئے، جس پر علمائے کرام کے ایک بڑے حصے نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور مولانا موصوف نے تاریخ اسلامی کے حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے دور کو جس طرح پیش کیا ہے، اس کے خلاف دینی رسالوں میں بہت کچھ لکھا گیا اور یہ مسئلہ دینی علمی حلقوں میں بڑی گرما گرم بحث کا موضوع بنا رہا۔ یہ کتاب مکمل شکل میں چھپ گئی ہے، اور امید ہے اس کے بارے میں اب اور بھی شدت سے بحث ہوگی۔ کیونکہ اس کتاب میں مولانا مودودی نے جو سوالات اٹھائے ہیں۔ اُن پر گزشتہ بارہ تیرہ سو سال سے اُمّت بحث کرتی چلی آئی ہے۔ اور ہر فریق کو اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں روایات کا اتنا مواد مل جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ قاری اور طالب حق کن روایات کو مانے اور کن کا انکار کرے۔

مولانا کے نزدیک "کتاب کا موضوع بحث یہ ہے کہ اسلام میں خلافت کا حقیقی تصور کیا ہے۔ کن اصولوں پر وہ صدر اول میں قائم ہوئی تھی۔ کن اسباب سے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملوکیت میں تبدیلی ہوئی کیا نتائج اس تبدیلی سے رونما ہوئے اور جب وہ رونما ہوئے تو ان پر اُمّت کا ردِّ عمل کیا تھا؟"
کتاب کے پہلے دو باب "قرآن کی سیاسی تعلیمات" اور "اسلام کے اصولِ حکمرانی" ہیں
"حاکمیتِ الٰہیہ" اور "اللہ کی قانونی حاکمیت" کے بارے میں مولانا کے جو مخصوص نظریات ہیں۔
ان دو ابواب میں آیاتِ قرآنی کو اُن کی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔

مولانا نے اپنے خیال سے قرآن کے ۱۶ نکات سے اسلامی ریاست کی جو خصوصیات متعین کی ہیں، اُن میں سے ایک خصوصیت یہ ہے:-

"وہ جمہوریت کے اس اصول میں ڈیموکریسی سے متفق ہیں کہ حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہیئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون، اس کے اصولِ حیات اس کی داخلی وخارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع، سب ان کی خواہشات کے تابع ہوں اور جدھر جدھر وہ مائل ہوں، یہ ساری چیزیں بھی اسی طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول وحدود اور اختلافی احکام وہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے، جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو، اِلّا یہ کہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرۂ ایمان سے نکل جائے۔"

ایک طرف حکومت کو بنانے، بدلنے اور چلانے کا اختیار "بالکل عوام کی رائے" کو دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ارشاد ہے کہ عوام مطلق العنان نہیں ہوتے۔ پھر یہ کہ ریاست کے متعین راستے کو بدل دینے کے اختیارات نہ منتظمہ کو حاصل ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو۔ یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آخر ریاست کے لئے یہ راستہ متعین کون کرے گا؟۔ قرآن اور سنت میں تو اس راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ عمومی اصول ہیں۔ اب اگر مثال کے طور پر مولانا مودودی صاحب اسلامی ریاست کا ایک راستہ متعین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی اسلامی ریاست کا متعین راستہ ہے، جسے بدلنے کا نہ منتظمہ کو حق ہے نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو اور نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو۔ تو پھر عوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رائے کا معرف کیا ہوگا؟ مولانا نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ اگر راستے کے تعیین میں عوام صاحب اختیار نہیں، تو پھر دوسرا کون ہے؟

مولانا نے قرآن کے ۱۶ نکات سے اسلامی ریاست کی جو تصویر مرتب کی ہے اول تو ان قرآنی آیات سے یہ نکات اخذ کرنا مولانا کا خالص "اجتہاد" ہے۔ پھر اس "اجتہاد" کا اتنا استحکام کہ اُسے نہ پوری قوم بدل سکے؛ نہ اس کی منتظمہ، نہ عدلیہ اور نہ مقننہ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا کہ یہ اسلامی ریاست ڈیموکریسی بھی ہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔ جمہوریت اور ڈیموکریسی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اختیار کا آخری مرجع عوام ہیں۔

ص۴۷ میں "ریاست کا مقصد وجود" کے تحت ارشاد ہوا ہے:۔

"اس ریاست میں حکمراں اور اس کی حکومت کا اولیں فریضہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ اسلامی نظامِ زندگی کو کسی ردو بدل کے بغیر جُوں کا توں قائم کرے . . . ."

یہاں ایک تو اسلامی نظامِ زندگی کی قدرے وضاحت کی ضرورت تھی کہ آیا وہ ایک جامد نظام ہے جو کسی ردّو بدل کے بغیر جوں کا توں قائم ہو سکتا ہے یا اس نظام کے چند ابدی اصول ہیں، جو ہر دور میں اس دور کے تقاضوں کے مطابق مختلف قالبوں میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مولانا نے یہ مسئلہ بھی بالکل مبہم رکھا ہے۔

ایک سیاسی نظام میں سب سے بنیادی اور اہم نکتہ حاکم، صاحب اقتدار یا ہیئت حاکمہ کو وجود میں لانے کا ہوتا ہے۔ اور قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا طر[یقہ] معین کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، چنانچہ اسے جمہور کی رائے پر چھوڑ دیا گیا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب جس طرح ہوا، اُسی طرح حضرت عمر منتخب نہیں ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کو منتخب کرنے کا طریقہ اور تجویز کیا اور حضرت علیؓ کا انتخاب اور طریقے سے ہوا۔ اس کے بعد جب "سابقین اولین" ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے تو حالات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس زمانے کے عام دستور کے مطابق خاندانی بادشاہت کے نظا[م] کو اپنائیں، اور یہ نظام اُن کے ہاں اب تک جاری رہا۔ اب مولانا نے قرآن کی آیات سے سیاسی تعلیمات تو اخذ کیں۔ اور ان تعلیمات کو معیار بنا کر اسلامی تاریخ کے اس دور کا جا[ئزہ]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا ہے آپ کا طریقہ اخذ یہ ہے صفحہ ۳۳ پر ایک عنوان ہے "اجتماعی خلافت" ۔ ارشاد ہوتا ہے :۔ "اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ جماعت (Community) اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے . . . سورۂ نور کی آیت ۵۵ کے الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ اس معاملہ میں صریح ہیں" لیکن صفحہ ۳۳ پر قرآن کی یہ آیت ہے "يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے . . . "۔ کیا اس آیت سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ خلافت شخصی بھی ہو سکتی ہے۔

مولانا نے خلافت راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی ذمہ داری حضرت عثمان پر ڈالی ہے اور ان کے عہد خلافت کی کوتاہیوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اس ضمن میں مولانا نے زیادہ تر روایات سے کام لیا ہے، اور اُن کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے غلطیاں ہوئیں "، اور غلط کام بہر حال غلط ہے۔ خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔"

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو شورش اٹھی، ہو سکتا ہے اُس میں سب سے بڑا دخل اس بات کو ہو کہ لوگ اُن کی اقربا نوازی سے ناخوش ہوں، لیکن فاضل مصنف جیسے محقق عالم سے یہ توقع تھی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کے ہاں دولت کی جو کثرت ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ سرکش عرب قبائل جنگیں لڑنے کے بعد اقتدار میں جس طرح شریک ہو گئے تھے، اُس کے پس منظر میں اس شورش کا تجزیہ فرماتے اور سارا الزام حضرت عثمانؓ کی چند تقریریوں پر نہ رکھتے۔ لیکن انہوں نے اس معاملے میں وہی مناظرانہ روش اختیار کی ہے، جو ہمارے اکثر اہل قلم کا عام معمول ہے۔ مولانا نے حضرت عثمانؓ کی غلطیوں کو ثابت کرنے کے لئے جو روایات نقل کی ہیں اس کی تردید میں بھی اسی قسم کی روایات پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چل رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال کے طور پر مولانا نے بڑی تفصیل سے حجاج بن یوسف کے مظالم کو بیان کیا لیکن اس کے ساتھ ہی اگر وہ اہل عراق کی شورش پسندی اور ہر حکومت کے خلاف خواہ وہ حضرت علیؓ کی ہو یا امیر معاویہ کی ان کی سرکشی کا بھی ذکر کر دیتے، تو حجاج اور بنو امیہ کی مظالم کی سنگینی کچھ کم ہو جاتی، لیکن مولانا نے اس کتاب میں صرف ایک طرف تصویر دی ہے، جو ظاہر ہے صحیح نہیں۔

ایک باب ہے "خلافت اور ملوکیت کا فرق"۔ اس کے تحت وہ لکھتے ہیں۔

"شاہی حرس (Body guard) اُن (بادشاہ قسم کے خلفاء) کے محلوں کی حفاظت کرنے اور اُن کے جلو میں چلنے لگے۔ حاجب و دربان اُن کے اور عوام کے درمیان حائل ہو گئے۔ رعیت کا براہ راست ان تک پہنچنا اور اُن کا خود رعیت کے درمیان رہنا سہنا اور چلنا پھرنا بند ہو گیا۔ اپنی رعیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہ اپنے ماتحت کارپردازوں کے محتاج ہو گئے . . . ."

ذرا اندازہ لگائیے کہ جب اسلامی ریاست صرف جزیرہ عرب تک محدود تھی اور مدینہ کا ہر شخص جانا پہچانا تھا، اُس وقت خلیفہ جس طرح آزادی سے چل پھر سکتا تھا، بعد میں جب اسلامی ریاست کی حدیں وسیع ہو گئی تھیں، اور مدینہ میں اور اقوام و اجناس کے لوگ آباد ہو گئے تھے، خلفاء کا پہلے کی طرح چلنا پھرنا خطرے سے کیسے خالی ہو سکتا تھا حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور بعد میں کوفہ میں حضرت علیؓ کا شہید کیا جانا کیا اس بات کا متقاضی نہ تھا کہ خلیفہ کی حفاظت ہو۔ اور ہر شخص کا اس تک براہ راست پہنچنا پہلے کی طرح نہ روا رکھا جاتا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کیونکہ حضرت علیؓ جیسا ہر دلعزیز خلیفہ بھی ایک جنونی کے ہاتھ سے شہید ہو سکتا ہے۔ باقی یہ الزام کہ بعد کے خلفاء اپنی رعیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے ماتحت کارپردازوں کے محتاج ہو گئے۔ تو کیا اتنی وسیع مملکت کے حالات معلوم کرنا خود خلیفہ کے بس میں تھا۔ جب سلطنت کی حدیں سندھ سے لے کر اسپین تک ممتد ہو جائیں تو خود خلیفہ کا حضرت عمرؓ کی طرح گھروں کا چکر لگانا کیسے ممکن ہے۔

مولانا نے اس بات پر بھی بڑے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ خلافت کی جگہ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملوکیت آئی تو مسلمانوں کی قیادت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی - ایک دینی قیادت اور دوسری سیاسی قیادت - موصوف فرماتے ہیں:-

" اسلام کا منشا قیادت کی اس تقسیم سے پورا نہیں ہوتا . . . . . اسلام کا ٹھیک ٹھیک منشا تو اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب کہ اس امت کو ایک ایسی قیادت میسّر ہو جو خلافتِ راشدہ کی طرح بیک وقت دینی قیادت بھی ہو اور سیاسی قیادت بھی، جس کا سیاسی اقتدار اپنے تمام ذرائع و وسائل نہ صرف دین کے مقاصد کی تکمیل میں صرف کرے، بلکہ اس اقتدار کا اصل مقصد دین ہی کے مقاصد کی تکمیل ہو . . "

خلافت راشدہ میں خلیفہ نمازیں پڑھاتا تھا، جمعہ کا خطبہ دیتا تھا، قانون کی تعبیر و تعیین کا آخری مرجع وہی تھا۔ ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا - یہ وہ دور ہے جب مدینہ ایک مختصر سا گاؤں تھا، لیکن جب اسلامی سلطنت دُور دُور تک پھیل گئی - اور حکومت کا نظم و نسق متنوع اور پیچیدہ ہوگیا، تو اس وقت اسلامی سلطنت کے سربراہ سے یہ توقع کرنا کہ وہ حضرت عمرؓ کی طرح اپنی ذات میں دین و دنیا کے تمام کام جمع کرلے، کہاں تک معقول ہے - وہ نماز پڑھائے، مسجد کو ایوان حکومت سمجھے، راتوں کو شہر میں گشت کرے، وہ ہر شخص کو جانتا ہو۔ آج اس قسم کی قیادت کی آرزو رکھنا کہ وہ بیک وقت اسی طرح کی دینی بھی ہو اور سیاسی بھی - جماعت اسلامی کے امیر کے لئے تو ممکن ہے - کیونکہ وہ اس طرح دینی قیادت کو زینہ بنا کر سیاسی قیادت تک پہنچنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن عملی دنیا میں ایسی باتیں کہنے والا محض ایک نظریہ پرست سمجھا جائے گا -

مولانا نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے کاموں پر بھی لکھا ہے۔ انھوں نے ان دونوں بزرگوں کو تاریخ میں جو "رول" دیا ہے وہ معروضی کم اور موضوعی زیادہ ہے یعنی ان کے ذکر میں تاریخی واقعات کو ایک ایسے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس سے جماعت اسلامی کے مسلک کی تائید ہو۔

مثلاً مولانا مودودی کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہؒ ہر اس تحریک کے ہم نوا ہو جاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ جو قائم شدہ حکومت کے خلاف اٹھتی تھی۔ وہ حکومت خواہ اموی ہو یا عباسی۔

مولانا کے نزدیک جب زید بن علی نے امویوں کے خلاف خروج کیا تو "اسی خروج میں امام ابوحنیفہ کی پوری ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو اُن کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی۔ اُنہوں نے ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی" اس سے کچھ آگے مولانا لکھتے ہیں:۔ "انہیں تمام ظاہری آثار کو دیکھتے ہوئے یہ توقع نہ تھی کہ زید کے خروج سے کوئی کامیاب انقلاب رونما ہو سکے گا۔" لیکن اس کے باوجود بقول مولانا انہوں نے زید کو مالی مدد دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی۔

جب منصور عباسی کے خلاف نفس زکیہ اور ابراہیم اُٹھے، تو مولانا کے نزدیک انہوں نے "بڑے زور شور سے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کی۔ یہاں تک کہ ان کے شاگردوں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم سب باندھ لئے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور اُن سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے، وہ ان کے ساتھ خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے۔ ایک شخص ابو اسحٰق الفزاری سے انہوں نے یہاں تک کہا کہ تیرا بھائی جو ابراہیم کا ساتھ دے رہا ہے، اس کا یہ فعل تیرے اس فعل سے کہ تو کفار کے خلاف جہاد کرتا ہے، زیادہ افضل ہے۔"

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں:۔ "ان اقوال کے صاف معنی یہ ہیں کہ امام (ابوحنیفہ) کے نزدیک مسلم معاشرے کے اندرونی نظام کو بگڑی ہوئی قیادت کے تسلط سے نکالنے کی کوشش باہر کے کفار سے لڑنے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:۔ "یہ طرزِ عمل بھی ٹھیک ٹھیک امام کے اس نظریے کے مطابق تھا کہ ایک کامیاب اور صالح انقلاب کے امکانات ہوں تو ظالم حکومت کے خلاف خروج جائز ہی نہیں، واجب ہے۔"

اب اس کا فیصلہ کرنا کہ ظالم حکومت کون سی ہے اور بگڑی ہوئی قیادت کس کو کہیں، ظاہر ہے خود خروج کرنے والے ہی کا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کو حضرت عثمان سے ایک شکایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے صحابہ کو چھوڑ کر اپنے قرابت مندوں کو عہدے دیئے، اس سلسلے میں مولانا نے کئی ایک امویوں کے نام لئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض تھے، لیکن بعد میں ان کی غلطی معاف کر دی گئی۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:۔" اس میں شک نہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد ایک مخلص مسلمان ثابت ہوئے اور ان سے پھر کوئی بات قابل اعتراض ظاہر نہیں ہوئی، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو پہلے عمرو بن عاص کے ماتحت ایک فوجی افسر مقرر کیا، اور بعد میں مصر کے ایک علاقے (صعید) کا عامل بھی بنایا، مگر جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ مصر سمیت پورے شمالی افریقہ کے حاکم عام اور سپریم کمانڈر بنائے گئے تو یہ بات خلاف فطرت نہیں تھی کہ ان کے ماضی کو دیکھتے ہوئے اتنے بلند منصب پر ان کا تقرر لوگوں کو ناگوار ہوا۔"

اب ایک شخص جو مخلص مسلمان ثابت ہو چکا ہے اُس کو حضرت عمرؓ فوجی افسر اور عامل مقرر کرتے ہیں، تو کیا وہ ترقی کر کے مصر کا والی نہیں بن سکتا۔ مولانا نے خواہ مخواہ یہاں "مصر سمیت شمالی افریقہ" کا ذکر کر دیا ہے۔ شمالی افریقہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں فتح ہوا، اور وہ بھی اُس کا ایک حصہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے آخری چند سالوں میں وہ نسل ختم ہو رہی تھی یا وہ بوڑھی ہو گئی تھی، جس کی کارداری پر خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نظم و نسق قائم تھا۔ اب ایک نئی نسل آگے آ رہی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہ کیا کہ اس نسل میں سے اُن لوگوں کو کلیدی اسامیوں پر متعین کرنے میں ترجیح دی، جو اموی تھے۔ اس سے بیشک شکایتیں پیدا ہوئیں۔ مولانا نے حضرت عثمان کی غلطیوں کو زیادہ اجاگر کرنے کے لئے مروان بن حکم کو اُن کا "چیف سیکریٹری" بنا دیا ہے۔ اور اس بات کی پُرزور تردید کی ہے کہ اس زمانے میں موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق نہ کوئی دفتر خلافت تھا، نہ اس کا کوئی عملہ تھا، نہ اس کا کوئی سکریٹری یا چیف سکریٹری تھا۔۔" مولانا کا یہ دعویٰ محض اس لئے ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کو مطعون کر سکیں، ورنہ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں سکریٹریٹ قسم کی چیز عہد عباسی میں آئی۔ مروان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مشیر کی تھی اور بس۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ نظر کتاب کے ابواب پر جو پہلے 'ترجمان القرآن' میں چھپے تھے، علماء کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کے دماغ میں اسلامی تصور کا صحیح تصور نہیں۔ اور یہ کہ "کیوں نہ ہم جرأت کے ساتھ اپنی تاریخ کے ان واقعات کا سامنا کریں؟ اور کیوں نہ بے لاگ طریقے سے ان کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک یہ متعین کر دیں کہ خلافت اصل میں کیا چیز ہے . . . . . جب تک ہم ان سوالات کا صاف اور مدلّل و مرتب جواب نہ دیں گے، ذہنوں کی اُلجھنیں دور نہ ہوں گی" جہاں تک قدیم اور روایتی مسلک والوں کا تعلق ہے، مولانا کی اس کتاب سے تاریخِ اسلام کے اس دور کے بارے میں جس کا اس میں ذکر ہے، اُن کی الجھنیں دور ہونے کے بجائے اور زیادہ ہوئی ہیں۔ باقی رہے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم جو مغربی مصنفین کی کتابوں سے گمراہ ہو رہے ہیں، بڑے ہی سعادت مند ہوں گے اگر وہ مولانا کی اس دلیل سے امیر معاویہؓ کو "فئۃ باغیۃ" مان لیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے حق میں حضورؐ سے ثابت ہے کہ تقتلک الفئۃ الباغیۃ (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) . . ."

آخر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے جواب اس حد تک "جمہوریت پرست" ہو گئے ہیں کہ وہ جدھر جمہور کا رجحان دیکھتے ہیں وہ اُدھر کو چل دیتے ہیں، یہ کتاب کیوں لکھی جس سے علمائے کرام کی ایک کثیر جماعت ناراض ہو گئی ہے اور انہوں نے عوام میں مولانا مودودی کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے۔ کیا اس کتاب سے مقصود اسلامی تاریخ کی اُلجھنوں کو دور کرنا ہے جو ظاہر ہے اس طرح دُور نہیں ہو سکتیں یا اس سے کوئی دوسری غرض ہے۔

راقم السطور کے نزدیک "خلافت و ملوکیت" کے مسئلے پر مولانا نے جس طرح بحث کی ہے، اس سے اُن کا اصل مقصد قرآن، حدیث، تاریخ اور حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے حوالوں سے اپنا اور اپنی جماعت اسلامی کا موقف مبنی بر حق ثابت کرنا ہے۔ "قرآن کی سیاسی تعلیمات" اور "اسلام کے اُصولِ حکمرانی" کی بنیاد جن آیاتِ قرآنی کو بنایا گیا ہے وہ محض مولانا کی ذہانت ہے، اور ان آیات سے اس طرح کے اصول ثابت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ اس کے بعد ملوکیت کے مقابلے میں خلافت کی ناکامی کی داستان بیان
اور اس کا سارا الزام حضرت عثمانؓ پر ڈالا گیا ہے اس سے کم از کم جماعت
جو وہ ناکامی کی تاریخی لحاظ سے اشک شوئی ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
تک لکھ گئے ہیں کہ ان کے نزدیک ایک مسلمان بادشاہ کے خلاف لڑنا باہر
ے لڑنے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

لانا نے بڑی تفصیل سے "ظالم حکومت کے خلاف خروج" کے مسئلے پر بحث
تے ہیں، "اس زمانے میں ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کا امام ظالم
ز آیا اس کے خلاف خروج (Revolt) کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس
د اہل السنت کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل الحدیث کا بڑا گروہ اس بات
ہے کہ صرف زبان سے اس کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور اس کے
ق کہا جائے، لیکن خروج نہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ ناحق خوں ریزی کرے۔
حقوق پر بے جا دست درازیاں کرے اور کھلم کھلا فسق کا مرتکب ہو، لیکن
رحؒ کا مسلک یہ تھا کہ ظالم کی امامت نہ صرف یہ کہ باطل ہے، بلکہ اس کے
وج بھی کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے بشرطیکہ ایک کامیاب اور مفید
ن ہو۔ ظالم و فاسق کی جگہ عادل و صالح کو لایا جاسکتا ہو، اور خروج کا نتیجہ
اور قوتوں کا ضیاع نہ ہو۔"

لانا کے استنتاج کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک اموی خلیفہ کے خلاف زید
وج ایسا ہی تھا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگ بدر میں خروج،
عباسی کے خلاف ابراہیم کے ساتھ مل کر لڑنا کفار کے خلاف جہاد کرنے سے زیادہ
۔

ب اگر منصور "مسلمانوں کے مشورے کے بغیر" خلیفہ بنا تھا، تو اس کے پوتے
شید پر امت کا کب اجتماع ہوا تھا۔ پھر اگر منصور ظالم تھا اور اس نے
یہ اور ابراہیم کے خروج کو سختی سے کچلا، تو کیا ہارون الرشید کا آل علی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیر نظر کتاب کے ابواب پر جو پہلے "ترجمان القرآن" میں چھپے تھے، علماء کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کے دماغ میں اسلامی تصور کا صحیح تصور نہیں۔ اور یہ کہ "کیوں نہ ہم جرأت کے ساتھ اپنی تاریخ کے ان واقعات کا سامنا کریں؟ اور کیوں نہ بے لاگ طریقے سے ان کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک یہ متعین کر دیں کہ خلافت اصل میں کیا چیز ہے۔ . . . . جب تک ہم ان سوالات کا صاف اور مدلّل و مرتب جواب نہ دیں گے، ذہنوں کی اُلجھنیں دور نہ ہوں گی" جہاں تک قدیم اور روایتی مسلک والوں کا تعلق ہے، مولانا کی اس کتاب سے تاریخ اسلام کے اس دور کے بارے میں جس کا اس میں ذکر ہے، اُن کی الجھنیں دور ہونے کے بجائے اور زیادہ ہوئی ہیں۔ باقی رہے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم جو مغربی مصنفین کی کتابوں سے گمراہ ہو رہے ہیں، بڑے ہی سعادت مند ہوں گے اگر وہ مولانا کی اس دلیل سے امیر معاویہؓ کو "فئۃ باغیۃ" مان لیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے حق میں حضورؐ سے ثابت ہے کہ تقتلك الفئة الباغية (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) . . .!

آخر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے جواب اس حد تک "جمہوریت پرست" ہو گئے ہیں کہ وہ جدھر جمہور کا رجحان دیکھتے ہیں وہ اُدھر کو چل دیتے ہیں، یہ کتاب کیوں لکھی جس سے علمائے کرام کی ایک کثیر جماعت ناراض ہو گئی ہے اور انہوں نے عوام میں مولانا مودودی کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے۔ کیا اس کتاب سے مقصود اسلامی تاریخ کی اُلجھنوں کو دور کرنا ہے جو ظاہر ہے اس طرح دُور نہیں ہو سکتیں یا اس سے کوئی دوسری غرض ہے۔

راقم السطور کے نزدیک "خلافت و ملوکیت" کے مسئلے پر مولانا نے جس طرح بحث کی ہے، اس سے اُن کا اصل مقصد قرآن، حدیث، تاریخ اور حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے حوالوں سے اپنا اور اپنی جماعت اسلامی کا موقف مبنی برحق ثابت کرنا ہے۔ "قرآن کی سیاسی تعلیمات" اور "اسلام کے اُصولِ حکمرانی" کی بنیاد جن آیاتِ قرآنی کو بنایا گیا ہے وہ محض مولانا کی ذہانت ہے، اور ان آیات سے اس طرح کے اصول ثابت

© rasailojaraid.com